انوار ساطعہ

اور

تقدیس الوکیل

ایک تجزیاتی مطالعہ

علامہ یٰسین اختر مصباحی

’’اَنوارِ ساطِعہ‘‘ اور ’’تقدیسُ الوَکیل‘‘: ایک تجزیاتی مطالعہ

یٰسٓ اختر مصباحی

دارُالقلم، نئی دہلی

حضرت مولانا عبدالسمیع ، بیدلؔ ، رام پوری ، سہارن پوری (متوطّن ، رام پور مَنیہاران ضلع سہارن پور۔ وصال ، یکم محرمُ الحرام ۱۳۱۸ھ/یکم مئی ۱۹۰۰ء۔ میرٹھ) تلمیذِ رشید، مولانا رحمتُ اللہ عثمانی ، کیرانوی ، مہاجرِ مکی (ولادت ، محلّہ دربارِ کلاں ۔قصبہ کیرانہ، ضلع سہارن پور ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء۔ وصال ، رمضان ۱۳۰۸ھ/ مئی ۱۸۹۱ء ۔جنتُ المعلیٰ ، مکہ مکرّمہ) وخلیفۂ مُعتمد حاجی اِمدادُ اللہ ، فاروقی ، چشتی صابری ، مہاجرِ مکی (ولادت ۲۲/صفر ۱۲۳۳ھ/ یکم جنوری ۱۸۱۸ء۔ وصال ۱۲/ جمادیٰ الآخرہ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۹۹ء ۔جنتُ المعلیٰ ، مکہ مکرّمہ) وتلمیذِ مولانا احمد علی ، محدّث سہارن پوری (وصال ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) وتلمیذِ مفتی صدرُ الدّین ، آزردہ ، دہلوی (وصال ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) اپنی کتاب ’’**انوارِ ساطعہ، در بیانِ مولود و فاتحہ**‘‘ میں ، اپنے عہد وعصر کے بعض اِنحرافات وضلالات کا ذِکر، نہایت روحانی کرب واَذیّت کے ساتھ ، کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ....کوئی ، یہ کر رہا ہے کہ ، **جنابِ باری عَزَّ اِسْمُہٗ** ، جس کی شانِ عالی ، یہ ہے:
>
> وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللہِ حَدِیْثاً ۔ اُس کو ’’**اِمکانِ کذب**‘‘ کا ، دَھبّہ لگا تا ہے۔
>
> **اور حضرت فخرِ موجودات ، سرورِ کائنات (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ)**
>
> **جنھوں نے خود ، اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ:**
>
> **اَیُّکُمْ مِثْلِی ، یعنی، تم میں ، میری مانند ، کون ہے؟**
>
> **لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ ، ایک بھی تم میں کا ، میری طرح نہیں۔**
>
> اور ، وہ تو ، وہی ہیں ، ان کی بیبیوں کی ، وہ شانِ عالی ہے کہ ، خود ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
>
> **یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۔ (سورۂ اَحزاب ۔آیت ۳۲)**
>
> (ترجمہ: اے نبی کی بی بیو! تم ، اور عورتوں کی طرح نہیں ہو)

پھر، اِس زمانے میں، ایک ادنیٰ سا آدمی ہے کہ، وہ، کہہ رہا ہے:

''رسول اللہ، میرے بھائی ہیں۔''

واضح ہو کہ، بھائی، جس قدر ہوتے ہیں، سب، اپنے باپ کے کُل ترکہ میں، برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اِس لفظ سے معاذَ اللہ، ایہام دعویٰ برابری، حضرت فخر الانبیا کے ساتھ ہے۔

اب، کس کس اختلاف کو، بیان کیجیے؟ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۳۷۔ انوارِ ساطعہ۔ مؤلَّفہ مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری۔ طبعِ جدید، ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء از طلبۂ درجۂ فضیلت، اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ طبعِ اول ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء۔ وطبعِ دوم ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء)

اور ''انوارِ ساطعہ'' کی وجہِ تصنیف، بیان کرتے ہوئے، تحریر فرماتے ہیں:

''۱۳۰۲ھ میں، دہلی کے تین عُلماے غیر مقلّد اور عُلماے دیوبند و گنگوہ و سہارن پور کے حُسنِ توجہ اور مطبع ہاشمی، میرٹھ کی سَعی سے ایک فتویٰ، چار ورق پر چھپ کر، اکثر اَطراف میں تشہیر کیا گیا۔

اس کی لوحِ سرنوشت، یہ تھی: فتویٰ مولود و عرس وغیرہ۔

اِس فتوے کا ذکر، جہاں، اِس کتاب میں آوے گا، ''فتویٰ اول انکاری'' لکھا جاوے گا۔

خلاصۂ مضمون، اس کا، یہ ہے کہ:

محفلِ مولود شریف عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلوٰةُ وَ السَّلام، بدعتِ ضلالَتْ اور اِسی طرح اَموات کی فاتحہ و درود، جو، ہندوستان میں رائج ہے، یہ سب، حرام اور رسمِ بد اور معصیت ہے۔

کچھ دن، اِس پر، نہ گذرے تھے کہ:

فتویٰ دوسرا، چوبیس صفحہ کا، اِسی مطبع ہاشمی (میرٹھ) میں چھپ کر، مُشتہر ہوا۔

اِس فتوے کا، جس جگہ اِس کتاب میں، ذکر آوے گا، ''فتویٰ انکاری ثانی'' لکھا جاوے گا۔

اِس فتویٰ میں، زیادہ ترمذَّمت، میلاد شریف کی ہے۔

اور، وہ، چار ورقہ، جو، پہلے چھپا تھا، پھر، دوبارہ، اِس میں چھپا۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۳۸۔ **انوارِ ساطعہ**، مؤلّفہ مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری۔ طبعِ جدید مبارک پور۔ ۲۰۰۷ء)

''واضح ہو کہ، جب ۱۳۰۲ھ میں ''انوارِ ساطعہ'' مطبوع ہو کر، مطبوعِ خلائق ہوا، اکثر شائقینِ حق نے طلب، دور دور سے کی۔ کسی نے قیمۃً، کسی نے ہدیۃً، منگا کر مطالعہ کیا۔

اَقاصیِ بِلاد واَماکنِ بِعاد سے، بہت شکریہ کا مضمون لکھا آیا کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اِس کتاب کے سبب، بہت مغالطات واَوہام وتشکیکات سے، اَمانِ کُلّی پایا۔

پھر، دو برس بعد، یعنی ۱۳۰۴ھ میں ایک کتاب ''براہینِ قاطعہ بجوابِ انوارِ ساطعہ''، مطبع ہاشمی، میرٹھ میں، چھپی۔ اِس پتہ سے کہ:

''یہ کتاب، حسبُ الامر، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مطبوع ہوئی۔''

دیباچہ، مقام اظہارِ نامِ مؤلّف میں، ان کے مُرید، مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کا نام ہے۔ اور ختمِ کتاب پر، مولوی رشید احمد صاحب موصوف کی تقریظ، واسطے جواب وتائید وتحسینِ کتاب کے، زیبِ اِرقام ہے۔

مجھ کو، میرے بعض اَحباب، نیز بعض عُلماے دہلی وپنجاب وغیرہ نے خطوط لکھے کہ:

تم، بَراہینِ قاطِعہ کا جواب، کیوں نہیں لکھتے؟ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۴۷ وص ۴۸۔ **انوارِ ساطعہ**۔ ازمولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارنپوری)

اِس طرح، طبعِ اول ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء کے بعد، نظرِ ثانی واِضافہ از مؤلّف، اِضافۂ تقریظات وتصدیقات سے، مُزَیَّن ہوکر ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں ''انوارِ ساطعہ'' کی دوبارہ طباعت واِشاعت ہوئی۔ اس کے بعد، کب اور کہاں سے ہوئی، اِس کا علم نہیں۔

البتہ، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں، طلبۂ درجۂ فضیلت، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا) نے، اسے کمپوزِنگ کرا کے، تقریب وتقدیم کے ساتھ، جو، نسخہ، شائع کیا وہ، اِس وقت، پیشِ نظر ہے۔

مؤلّفِ کتاب، مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری (رام پور مَنِیہاران۔ ضلع سہارن پور) کے شائع کردہ نسخۂ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء کی، سبھی تقریظات وتصدیقات، اِس نسخۂ جدیدہ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں بھی، شامل ہیں۔ جن میں آپ کے پیرومُرشد، حاجی اِمداداللہ، فاروقی، چشتی صابری، مہاجرِ مکی (وصال، ۱۲/ جمادیٰ الآخرہ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸/اکتوبر ۱۸۹۹ء۔ مدفون جنّتُ الْمعلیٰ، مکہ مکرَّمہ) اور آپ کے استاذ، مولانا رحمتُ اللہ، عثمانی، کیرانوی مہاجرِ مکی (وصال، رمضان ۱۳۰۸ھ/ مئی ۱۸۹۱ء۔ مدفون جنّتُ الْمعلیٰ، مکہ مکرَّمہ) کے علاوہ، مندرجہ ذیل عُلما ومشائخِ کرام کی بھی تقریظات وتصدیقات، شریکِ اشاعت ہیں جو، نسخۂ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء سے، منقول ہیں:

مفتی محمد لطفُ اللہ، علی گڑھی (وصال ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) مولانا فیضُ الحسن، سہارن پوری (وصال

۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) مولانا غلام دستگیر، قصوری، لاہوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) مفتی ارشاد حسین فاروقی، مجدّدی، رام پوری (وصال ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال صفر ۱۳۴۰ھ/ اکتوبر ۱۹۲۱ء) مولانا شاہ محمد عُبید اللہ مکی، بدایونی (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی لکھنوی (وصال، ربیعُ الاول ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) مولانا شاہ محمد عادل، کان پوری (وصال، ذوالحجہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مولانا عبدالحق حقانی، دہلوی (وصال، جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) مولانا وکیل احمد، سکندر پوری، حیدرآبادی (وصال ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) مولانا نذیر احمد، مجدّدی، رام پوری (وصال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) مولانا محمد فاروق چڑیّا کوٹی (وصال ۱۳۲۷ھ) مولانا محمد یعقوب، قادری برکاتی، دہلوی (وصال، ربیعُ الاوّل ۱۳۲۴ھ) مولانا مفتی عبدالمجید، فرنگی محلی لکھنوی (وصال ۱۳۴۰ھ) وغیرھُمْ رِضْوَانُ اللہِ عَلَیْھِم اَجْمَعِین۔

براہینِ قاطعہ، مؤلّفہ مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری ومصدّقہ مولانا رشید احمد، گنگوہی کی ایک عبارت میں، ابلیس کی، وُسعتِ علم کی نَص کا ذکر کرکے، پیغمبرِ اسلام صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وسَلَّم کی وُسعتِ علم کے بارے میں، یہ گستاخانہ سوال ہے کہ: **آپ کی وُسعتِ علم کی، کون سی نَص ہے؟**

اِسی طرح محافلِ ذکرِ ولادتِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کو، **معاذَاللہ رَبِّ الْعالَمِین**

''کنھیّا کے جنم'' سے تشبیہ دے کر، **اپنے ایمان واسلام پر، سوالیہ نشان لگانے کے ساتھ**

کروڑوں مسلمانوں کی، سخت دل آزاری کی گئی ہے۔

چنانچہ، **براہینِ قاطعہ** کی مختلف عبارتیں، نقل کرکے، مولانا، عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری نے اُن کا شدید، شرعی مؤاخذہ کیا ہے۔ جیسا کہ، وہ، اس کی ایک عبارت، اِس طرح نقل کرتے ہیں:

قَالَ: یا۔ یہ کہ: ''اب، ہر روز، کون سی ولادت، مکرّر ہوتی ہے؟

پس، یہ ہر روز، اِعادۂ ذکرِ ولادت، تو، مثل ہنود کے ہے، کہ:

ہر سال، سوانگ کنھیّا کی ولادت کا، کرتے ہیں۔

یا۔ مثل رَوَافِض کے، کہ: نقلِ شہادتِ اہلِ بیت، ہر سال مناتے ہیں۔

معاذَ اللہ، سوانگ، آپ کی ولادت کا ٹھہرا، اور، یہ خود، حرکتِ قبیحہ، قابلِ لوم وحرام وفسق ہے۔

بلکہ، یہ لوگ، اس قوم سے بڑھ کر ہوئے۔

وہ، تو، تاریخِ متعین پر کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی قید نہیں

جب چاہیں یہ خرافاتِ فرضی، مناتے ہیں۔"

یہ عبارت، فتویٰ ثانی انکاری، صفحہ ۱۴۸۔ براہینِ قاطعہ میں، مرقوم ہے۔"

(ص ۴۳۔ **انوارِ ساطعہ** از مولانا عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارن پوری)

اس دَور کے مندرجہ ذیل، عام گمراہ کن خیال سے **جدید اسمٰعیلی وہابی فکر** اور اس کی عام ذہنیت اچھی طرح، آشکار ہو جاتی ہے۔ جسے مولانا عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری نے، آغازِ کتاب میں اِس طرح بیان کیا ہے اور زیرِ نظر تحریر کے پہلے صفحہ پر، اِسے آپ، ملاحظہ بھی، فرما چکے ہیں کہ:

"پھر، اِس زمانے میں، ایک ادنیٰ سا آدمی ہے کہ، وہ، کہہ رہا ہے:

رسولُ اللہ، میرے بھائی ہیں۔"

واضح ہو کہ، بھائی، جس قدر ہوتے ہیں، سب، اپنے باپ کے کُل تَرکہ میں، برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

اِس جملہ سے، معاذَ اللہ، ایہام دعوی برابری، حضرت فخر الانبیا (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم) کے ساتھ ہے۔ اب، کس کس اختلاف کو، بیان کیجئے؟ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۳۷۔ **انوارِ ساطعہ**، مؤلفہ عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری۔ مطبوعہ مبارک پور ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء)

براہینِ قاطعہ، مؤلفہ مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری و مصدَّقہ مولانا رشید احمد گنگوہی میں، مندرج خیالات وافکار و نظریاتِ قبیحہ شنیعہ کا خلاصہ، کچھ، اِس طرح ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا، ممکن ہے۔

(۲) شیطان کی وُسعتِ علم کے لئے نَص ہے۔

اور، رسول (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم) کے لئے کون سی نَص ہے؟ (یعنی، کوئی نَص نہیں)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کو، دیوار کے پیچھے کا بھی، علم نہیں۔

(۴) عُلمائے دیو بند سے رابطہ کے بعد، رسول اللہ نے، اردو زبان سیکھی۔

(۵) آپ، عام انسانوں کی طرح، ایک بشر ہیں۔

(۶) محافلِ ذکرِ ولادتِ رسول (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم) کو، کَنھیّا کے جنم سے تشبیہ دی اور، بار بار، محافلِ میلاد، منعقد کرتے رہنے کو، اس سے بھی، بدتر قرار دیا۔ نَعُوذُ بِاللہِ رَبِّ الْعالَمِین۔

عالِمِ عِلْمِ الْاَوَّلِین وَالْآخِرِین، اَعْلَمُ الْخَلق (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے علمِ مبارک

اور اِبلیسِ لعین کے علمِ منحوس و مبغوض کے تقابل پر مشتمل، قبیح کفری عبارتِ براہینِ قاطعہ دیگر عبارات کی طرح، بعد کے دَور میں بھی، عَلٰی حالِہٖ چھپتی اور شائع ہوتی رہی۔ جو، اِس طرح ہے:

''اَلْحَاصِل، غور کرنا چاہیے کہ:

شیطان و ملکُ الْمَوت کا حال دیکھ کر، علمِ مُحیط زمین کا، فخرِ عالم کو، خلاف نُصوصِ قطعیہ کے بِلا دلیل، محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا، شرک نہیں، تو، کون سا ایمان کا حصہ ہے؟

شیطان و ملکُ الْمَوت کو، یہ وُسعت، نَص سے ثابت ہوئی۔

فخرِ عالم کی، وُسعتِ علم کی کون سی نَصِّ قطعی ہے کہ:

جس سے، تمام نُصوص کو، رَد کر کے، ایک شرک، ثابت کرنا ہے۔''

(ص ۵۵۔ اَلْبَرَاھِینُ الْقَاطِعَہ عَلٰی ظلامِ الْاَنوارِ السَّاطِعہ۔ مؤلّفہ مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری ومصدَّقہ مولانا رشید احمد، گنگوہی۔ کتب خانہ امدادیہ، دیو بند ضلع سہارن پور۔ یوپی)

اِس سے چند سطور پہلے کی ایک عبارت میں، معاذَ اللہ

اَعلمُ الْمخلوقات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کی مَزعومہ بے علمی و بے خبری، ثابت کرنے کے لئے ایک غلط روایت کا نہایت غلط اِنتساب، اِس طرح کیا گیا ہے:

''اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ: مجھ کو، دیوار کے پیچھے کا بھی، علم نہیں۔''

(ص ۵۵۔ براہینِ قاطعہ، مؤلّفہ مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری)

جب کہ، حقیقتِ حال، یہ ہے کہ:

حضرت شیخ عبدالحق، محدِّث دہلوی نے، یہ روایت نقل کر کے

صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ، اِس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ چنانچہ، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''واِیں جا، اِشکال می آرَند کہ، در بعضے روایات، آمدہ است کہ:

گفت، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کہ:

مَنْ بندہ اَمْ۔ نمی دانَم آں چہ، در پسِ ایں دیوار است۔

جوابَش آنست کہ، ایں سخن، اصلے نہ دارَد۔ و روایت بداں، صحیح، نہ شدہ است۔ اِلٰی آخِرِہٖ۔

(ص ۷۔ مَدَارِجُ النُّبُوَّۃ۔ جلدِ اول۔ مؤلّفہ شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی)

مؤلِّفِ براہینِ قاطعہ، مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری اور ان کے ہم مسلک و ہم خیال

''شیخُ الہِند''، مولانا محمود حَسَن، دیوبندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) کے نام، ایک مشترکہ مکتوب (تحریر شدہ، ذوالقعدہ ۱۳۰۷ھ) میں، **حاجی اِمدادُاللہ، مہاجر مکی** لکھتے ہیں:

.........تمام بِلادِ ممالکِ ہند، مثلاً بنگال، و بہار، و مدراس، و دَکن، و گجرات، و بمبئی و پنجاب، وراجپوتانہ، ورام پور، و بھاول پور وغیرہ سے متواتر اخبار حیرت انگیز وحسرت خیز اِس قدر آتے ہیں کہ، جن کوسُن کر، فقیر کی طبیعت، نہایت ملول ہوتی ہے۔

اس کی عِلّت، یہی براہینِ قاطعہ ودیگر ایسی ہی تحریرات ہیں۔

یہ آتشِ فتنہ''، انوارِ ساطعہ'' کی تردید سے، مشتعل ہوئی کہ:

تمام عالَم، اس کی حمایت میں، کھڑا ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے، اِس (انوارِ ساطعہ) کو، ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ:

تمام ممالک کے عُلَما و مَفاتی نے، ساری کتاب کو، تہِ دل سے پسند فرما کر، اس پر اتفاق کیا۔

دیکھو! ہندوستان میں، سیکڑوں مذاہبِ کفریہ وعقائدِ باطلہ، مخالفِ دین و بیخ کَنِ اسلام ظاہر ہوتے جارہے ہیں۔

اور کیسے کیسے اِلزام واِعتراض وشبہات وشکوک، مذہبِ اسلام پر، وارِد کرتے جاتے ہیں۔

پس، ایسے وقت میں، آپس کے مجادلہ کی جگہ، اس کی تردید کرنی چاہیے۔

اور قرآن شریف کی خوبیاں وفضائل اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کے محامد ومکارمِ اَخلاق ومحاسنِ اوصاف کو، ہر مقام اور ہر شہر وقریہ میں، نہایت زور وشور سے، مشتہر کرنا چاہیے۔

ایسے وقت میں، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کے محامدِ اوصاف ومکارمِ اخلاق کو مشتہر واِشاعتِ عام کرنے کے لئے

ہر مقام میں، مجلسِ مولود شریف کا چرچا، بڑا عمدہ ذریعہ اور مستحسن وسیلہ ہے۔''

(مرقومہ ذوالقعدہ ۱۳۰۷ھ)

(ص ۴۲۴۔ **انوارِ ساطعہ**۔ مؤلّفہ مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارن پوری)

مولانا نذیر احمد خاں، مجدِّدی، رام پوری ثُمَّ احمد آبادی (وصال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے نام اپنے ایک مکتوب (تحریر شدہ، رمضان ۱۳۰۷ھ) میں، **حاجی اِمدادُاللہ، مہاجرِ مکی** لکھتے ہیں:

.......آپ کا نامہ، مؤرخہ ۲۱/رجب ۱۳۰۷ھ مع ایک پرچہ، مطبوعہ مطبع محبوبُ المطابع

شہر میرٹھ، جو، فقیر کے خط سے منسوب ہے، جناب مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے ہاتھ پہنچا۔

فقیر کا، یہ مسلک، ضرور ہے کہ:

اہلِ اسلام کی تکفیر پر، جُرأت نہیں کرتا، بلکہ، اس سے تنفُّرِ قلبی رکھتا ہے۔

اور، اس میں صَرفِ اوقات کو، حماقت، بلکہ، خسران وخذلان کا، موجب سمجھتا ہے۔

جہاں تک ممکن ہو، تاویل کو، محبوب رکھتا ہے۔ بشرطے کہ، سَوادِ اعظم کے خلاف، نہ ہو۔

اور فقیر، صلح بینَ المُسلمین کا، بہ دل، خواہاں ہے۔

اور اپنے احباب کو بھی، فقیر کی یہی نصیحت ہے کہ:

نزاع سے کنارہ کش رہیں۔ اور مسائلِ مختلف فِیہا میں، سَوادِ اعظم کا اِتّباع کریں۔

اگرچہ، وہ مسئلہ، اپنی تحقیق کے مخالف ہو۔

کیوں کہ، سَوادِ اعظم علما و مشائخ کا خلاف

تنزُّلِ مرتبۂ ایمانیہ کا، موجب اور اِنحطاطِ کمالات کا مُثمِر ہے۔

اِس خط میں، یعنی، خط، مطبوعہ محبوبُ المطابع (میرٹھ) میں، جو، فقیر کے خلاف ہے اس کی تصریح کرتا ہوں:

جوابِ اول میں، اِمکان ووُقوع کا، فرق بتایا گیا ہے۔ فقیر کو، اس سے، اتنا معلوم ہوا کہ:

کذب کا نقائص میں ہونا، مُتَّفَقٌ عَلَیہ ہے۔

پھر، ذاتِ مقدسۂ باری تعالیٰ کی طرف، نَقص کا اِستناد، کس طرح، جائز ہوسکتا ہے؟

گو، بر سبیلِ اِمکان، ہی سہی؟

جوابِ ثانی میں، آیۂ اِنَّما اَنَا بَشرٌ مِّثْلُکُم۔ الخ۔ کا مُنکِر، کوئی اہلِ اِسلام نہیں۔

سب کا، یہی اعتقاد ہے کہ:

آنحضرت، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ سَلَّم، بشر ہیں۔

حضرت آدم عَلیٰ نبیِّنا وَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کی اولاد میں ہیں۔

اِنکار، اِس بات کا ہے کہ:

کوئی، بشر سمجھ کر، بڑا بھائی کہنے لگے۔ یا۔ مثل اس کے، اور کلمۂ گستاخی زبان سے نکالے۔ یہ اَلبتہ، موجبِ خذلان ہے۔

فقیر کے اعتقاد میں، تو، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم، اَشرفُ الْمخلو قات ہیں اور باعثِ ایجادِ کائنات۔ بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر۔

جوابِ ثالث کی تصریح، یہ ہے کہ:

فقیر، مجلس شریف کا، مع ہیئتِ کذائیہ، معمولۂ عُلماے ثِقات وصُلَحا و مشائخِ کرام، بار ہا اقرار کر چکا ہے کہ، اکثر، اس کا عامل ہے۔ جیسا کہ فقیر کی دیگر تقریرات وتحریرات سے، یہ مضمون، ظاہر ہے۔

فقیر کو، اِس مجلس شریف کے باعثِ حسنات وبرکات، معتقد ہونے کے علاوہ

یہ عینُ الْیقین ہے کہ، اِس مجلسِ مبارک میں، فیوض وانوار وبرکات ورحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

جوابِ رابع میں، فقیر کا، یہ عقیدہ ہے کہ:

عُلماے حرمین شریفین کی توہین، شمّہ بھر، جائز نہیں۔

اور، ان کا اتفاق، مسئلۂ شرعی میں، حجت سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ، بزرگانِ سَلف، لکھتے آئے ہیں۔

جوابِ خامس: ۔فقیر، ہمیشہ سے حنفی الْمذہب وصوفی الْمشرب ہونے کا، مُدَّعی ہے۔ اگر چہ، اپنے دعوی میں، کامل، نہ ہو۔

فقیر، تقلید کو، واجب، جانتا ہے اور اِس بات کو، اچھا نہیں جانتا ہے کہ:

کوئی حنفی الْمذہب ہو کر، ایسے مسئلہ کی تائید کرے جس میں حمایتِ لامذہبی، پائی جاوے اور عوام، ضلالت میں پڑیں۔" (مکتوبِ حاجی صاحب، محرَّرہ، رمضان ۱۳۰۷ھ)

(ص ۴۲۴۔ **انوارِ ساطعہ**، مؤلّفہ مولانا عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارن پوری)

مناظرِ اسلام، مولانا رحمتُ اللہ، عثمانی، کیرانوی، مہاجرِ مکی (وصال رمضانُ الْمُبارک ۱۳۰۸ھ/ مئی ۱۸۹۱ء۔ مدفون جنتُ الْمعلی، مکہ مکرَّمہ) بانِی مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، تلمیذِ مفتی سعدُ اللہ مراد آبادی (وصال ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) وشاہ عبد الْغنی، مجدِّدی، دہلوی (وصال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) ومولانا عبد الرحمٰن چشتی وفیض یافتہ مولانا مخصوصُ اللہ، دہلوی ومولانا محمد موسیٰ، دہلوی وشاہ ابوسعید مجدِّدی، رام پوری وشاہ احمد سعید مجدِّدی وشاہ عبد الرشید، مجدِّدی ومولانا قطبُ الدِّین دہلوی ومولانا محمد قاسم، دانا پوری وغلام امام شہید ومولانا محمد حیات دہلوی وامام بخش صہبائی، دہلوی وغیر ھُم، جامعِ منقول ومعقول عالِمِ دین تھے۔

اپریل ۱۸۵۴ء میں، آگرہ کے اندر، مشہور عیسائی مناظر، پادری فنڈر کو، ایک مشہور مناظرے میں شکستِ فاش دی۔ علاوہ ازیں، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی، آپ نے حصہ لیا۔

جس کے بعد، آپ نے ہندوستان چھوڑ کر، مکہ مکرّمہ میں، اِقامت، اختیار کر لی۔

اور وہیں، دینی وعلمی خدمات انجام دینے میں، اپنی پوری زندگی بسر کی۔

مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرّمہ (قائم شدہ۔ ۱۲۹۰ھ) کے، آپ ہی، بانی ہیں۔

اور شیخ زَینی دحلان مکی، شافعی (وصال ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء) کی خواہش پر، رَدِّ عیسائیت میں ''اِظہارُ الحق'' کے نام سے عربی زبان میں، بے مثال، شہرۂ آفاق کتاب، تصنیف فرمائی۔

جس کا، ایک معیاری اور خوبصورت ایڈیشن، ابھی جلد ہی، قاہرہ، مصر سے منظرِ عام پر آیا ہے۔

مولانا عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری، سہارن پوری، آپ کے شاگرد ہیں۔

پایۂ حرمین، مولانا رحمت اللہ، کیرانوی، مہاجرِ مکی (وصال ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء) ''انوارِ ساطعہ'' کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''رسالہ کو، میں نے، اول سے آخر تک، اچھی طرح، سنا۔

اسلوبِ عجیب اور طرزِ غریب، بہت ہی پسند آیا۔

اگر، اس کے وصف میں، کچھ لکھوں، تو، لوگ، اسے، مبالغہ پر حمل کریں گے۔

اس لئے اسے چھوڑ کر، دعا پر، اِکتفا کرتا ہوں کہ:

خدا تعالیٰ، اس کے مصنف کو، اَجرِ جمیل اور ثوابِ جزیل عطا فرمائے۔

اور، اس سے مُنکِروں کے تعصُّبِ بے جا کو، توڑ کر، ان کو، راہِ راست پر لاوے۔

اور مصنف کے علم اور فیض اور تندرستی میں برکت بخشے۔

اور میرے اساتذۂ کرام کا، اور میرا عقیدہ، مولد شریف کے باب میں، قدیم سے یہی رہا تھا اور یہی ہے۔ اور، بہ حَلف، سچ سچ، ظاہر کرتا ہوں کہ، میرا اِرادہ، یہ ہے کہ:

بریں زیستم، ہَم، بریں، بہ گذرَم

اور عقیدہ، یہ ہے کہ، اِنعقادِ مجلسِ میلاد، بشرطے کہ، منکرات سے خالی ہو۔ جیسے تغنّی اور باجا کثرت سے روشنیِ بے ہودہ، نہ ہو۔ بلکہ، روایاتِ صحیحہ کے موافق، ذکرِ مُعجزات اور ذکرِ ولادتِ حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کیا جاوے۔

اور بعد اس کے، اگر، طعامِ پختہ، یا شیرینی بھی، تقسیم کی جاوے، تو، اس میں، کچھ حرج، نہیں۔
بلکہ، اِس زمانے میں، جو، ہر طرف سے، پادریوں کا شور
اور بازاروں میں، حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم اور ان کے دین کی مذمّت کرتے ہیں۔
اور، دوسری طرف، آریہ لوگ -- خدا، ان کو، ہدایت کرے --
جو، پادریوں کی طرح، بلکہ، اس سے زیادہ، شور، مچا رہے ہیں۔
ایسی محفل کا اِنعقاد، اُن شروط کے ساتھ، جو، میں نے اوپر ذکر کیں، اِس وقت، فرضِ کفایہ ہے۔
میں، مسلمان بھائیوں کو، بہ طور نصیحت، کہتا ہوں کہ:
ایسی مجلس کرنے سے، نہ رُکیں۔
اور اقوالِ بے جا، مُنکِروں کی طرف سے، جو، تعصُّب سے کہتے ہیں، ہرگز اِلتفات، نہ کریں۔
اور تعیُّنِ یوم میں، اگر، یہ عقیدہ، نہ ہو کہ، اس دن کے سِوا، اَور دن، جائز نہیں۔
تو، کچھ بھی حرج نہیں۔ اور جواز اس کا، بخوبی، ثابت ہے۔
اور قیام، وقتِ ذکرِ میلاد کے، چھ سو برس سے جمہور عُلمائے صالحین نے، متکلِّمین اور صوفیہ صافیہ اور عُلمائے محدِّثین نے، جائز رکھا ہے۔ اور صاحبِ رسالہ نے، اچھی طرح، ان اُمور کو ظاہر کیا ہے۔
اور تعجب ہے، ان مُنکِروں سے، ایسے بڑھے کہ:
فا کہانی مغربی کے مقلِّد ہو کر، جمہور سَلفِ صالح کو، متکلِّمین اور محدِّثین اور صوفیہ سے ایک ہی لڑی میں، پرو دیا۔ اور ان کو، ضال مُضِل بتایا۔
اور خدا سے، نہ ڈرے کہ، اس میں، ان لوگوں کے استاذ، اور پیر بھی تھے۔ مثل:
حضرت شاہ عبدالرحیم، دہلوی اور اُن کے صاحب زادے، شاہ ولی اللہ، دہلوی، اور ان کے صاحب زادے، شاہ رفیعُ الدِّین، دہلوی، اور ان کے بھائی، شاہ عبدالعزیز، دہلوی۔
اور ان کے نواسے، حضرت مولانا محمد اسحٰق، دہلوی، قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُم۔
یہ، سب کے سب، انہیں، ضال مُضِل میں، داخل ہوئے جاتے ہیں۔
اُف! ایسی تیزی پر کہ، جس کے موافق (مطابق)۔
جمہور متکلِّمین اور محدِّثین اور صوفیہ سے، حرمین اور مصر اور شام اور یمن اور دیارِ عجم میں لاکھوں، گمراہی میں ہوں، اور یہ حضراتِ چند، ہدایت پر۔

یا اللہ! ہمیں، اور ان کو ہدایت کر، اور سیدھے رستہ پر چلا۔ آمِین ثُمَّ آمِین۔

(چند سطروں کے بعد) مجھے، یقین ہے کہ:

جب، ان کے ہاتھ سے، امام تقی الدّین سُبکی اور جلالُ الدّین سیوطی اور ابنِ حَجر عَسقلانی اور ہزار ہا عُلماے تقویٰ شِعار، خاص کر، ان کے استاذوں اور پیروں میں، شاہ ولی اللہ وغیرھُم نہ چھوٹے، تو، میں غریب، نہ ان کے، سلسلۂ استاذوں میں شامل ہوں، نہ سلسلۂ پیروں میں تو، کس طرح، چھوٹوں گا؟

یہ تو، ہر طرح سے تفسیق، بلکہ، تکفیر میں، کوشش کریں گے۔

پَر، مَیں، ان کی، ان حرکات سے، نہیں ڈرتا۔

اور جو، میرے ان اَقوال کی تائید اور سند، مؤلّفِ رسالہ نے، جا بجا تحریر فرمائی ہے اسی پر، اِکتفا کرتا ہوں۔ وَاللّٰہُ تَعالیٰ اَعلَمُ وَ عِلمُہٗ اَتَمُّ۔ فقط۔

اَمَرَ بِرَقمِہٖ وَ قالَ بِفَمِہٖ اَلرَّاجِی رَحمۃَ ربِّہٖ الْمَنَّان، محمد رَحمتُ اللّٰہ بن خلیل الرَّحمٰن، غَفَرَ لَھُمَا اللّٰہُ الْمَنَّان۔

(ص ۲۲۰ و ص ۲۲۱۔ انوارِ ساطعہ۔ مؤلّفہ مولانا عبدالسمیع، بیدلؔ، رام پوری۔ طبع مبارک پور)

براہینِ قاطعہ کی جس کفری عبارت کے سلسلے میں ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں، بھاول پور، پنجاب میں، حضرت مولانا غلام دستگیر، قصوری، لاہوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) کے درمیان

تاریخی ''سُنّی دیوبندی مناظرہ'' ہوا تھا، اُس کی روداد، ۱۳۰۷ھ میں لکھ کر، تقریظات وتصدیقاتِ عُلما ومشائخِ کرام کے ساتھ، اس کی طباعت واِشاعت ''تَقْدِیسُ الْوَکِیل عَنْ تَوھِینِ الرَّشیدِ وَالْخَلیل'' کے نام سے، مولانا قصوری نے، اپنی حیات میں ہی، کرائی۔

ایک مدت کے بعد، نئی کتابت اور نئے طرز سے تعارفِ مؤلّف کے ساتھ، نوری کتب خانہ بِالْمقابل، دربار داتا صاحب، لاہور نے، اِس کی طباعت واِشاعت کی۔

اور، اب، طلبۂ درجۂ فضیلت، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء میں کمپوزنگ کرا کے، تصحیح وتخریج وتقدیم کے ساتھ، نسبتہً، بہتر انداز میں، حق جو وحق پسند قارئینِ کرام کی خدمت میں، پیش کیا ہے۔

یہاں، یہ تاریخی حقیقت، ذہن نشین رہے کہ:

ابو حنیفۂ ہند، امامِ اہلِ سنّت، مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) اپنے ایک مکتوب (محرّرہ ذو القعدہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء) بنام حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی، لکھنوی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری ۱۹۲۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

........''آپ کے اَب وجَد کو، دیو بندیوں کے کفروں پر اِطلاع، نہ ہوئی ہوگی تو، ان کا برتاؤ، بعدِ ظہورِ اَمر، کیا حُجّت رہا؟

۱۳۰۷ھ تک کہ، میں نے ''سُبحٰنَ السُّبُّوح'' لکھا، خود، مجھے، ان کے کفروں پر اطلاع، نہ تھی۔ وَلِھٰذا، جب تک، ان پر، صرف لزومِ کفر لکھا۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(**اَلطَّارِیُّ الدَّارِی**۔ مطبوعہ حَسنی پریس، بریلی ۱۹۲۱ء)

تَقْدِیسُ الْوَکیل کی سابقہ طباعتوں کی تقریظات وتصدیقات، جو، زینتِ نسخۂ جدیدہ ہیں اُن کی تعداد، ڈیڑھ درجن سے، متجاوز ہے۔

جن میں، مشاہیر عُلماے عرب کے ساتھ، حضرت مولانا انوارُ اللہ فاروقی، حیدر آبادی و حضرت حاجی اِمدادُ اللہ، مہاجر مکی و حضرت مولانا رحمتُ اللہ، کیرانوی اور شیخُ الدَّ لائل، حضرت مولانا عبد الحق الہ آبادی کی تائید و تصدیق بھی، شامل ہے۔

نمونہ کے طور پر، ایک عربی اور ایک عجمی تصدیق، حاضرِ خدمت ہے:

شیخ محمد صالح کمال بن صدیق کمال، حنفی، مفتیِ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ)........ بعد اس کے، بے شک، یہ اعتراضات، مؤلّفِ ''**براہینِ قاطعہ**'' اور اس کی تقریظ لکھنے والوں اور مؤیِّدین پر، وارِد ہیں، صحیح ہیں۔

جیسا کہ، یہ امر، صاف ظاہر ہے اُس پر، جو، اِن کا مطالعہ کرے، فتیج وَسوَاسوں سے خالی ہو کر۔

اور یقیناً، حکم، صاحبِ بَراہینِ قاطعہ کا، مع مددگاروں اور تقریظ لکھنے والوں کے حکم، زِندیقوں کا ہے۔ چنانچہ، فُقہا اور محدِّثین کی کتابوں میں، اس پر، تصریح ہے۔

ہم، حق تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اُس سے جو، سبب ہو، نِدامت اور رُسوائی کا اور موجب ہو، اَفسوس اور رُوسیاہی کا، قیامت کے دن۔

مَیں، اپنے رب کو، پاک جانتا ہوں، دروغ گو، ناشکرے کی گفتگو سے

جس نے، اپنی کتاب کا نام، **بَراہینِ قاطعہ** رکھا ہے۔

اور، اس کا حکم (اسلامی سلطنت میں) سِوَائے اِس کے، اور کچھ نہیں کہ:

جلّاد، اس کے بدن سے گردن، کاٹ دے۔ تا کہ، کج رَو جاہلوں کے لئے عبرت ہو۔

اور حق تعالیٰ، جزائے خیر عطا فرمائے اُس کو، جس نے اس کے رَد میں پیش قدمی کی۔

اور خدا، اسے حاسدوں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمادے۔ آمین۔

اَمَرَ بِرَقمِہٖ خادمُ الشَّریعة، راجِی اللُّطفِ الخَفِی، محمد صالح بن المَرحوم صدیق کمال، حنفی، مفتی مکَّة المُکرَّمة حالاً۔

کانَ اللہُ لَھُمَا۔ حامِداً مُصَلِّیاً مَسَلِّماً۔ محمد صالح کمال۔ ۳/ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ۔

(ص۲۹۱ و ص۲۹۲۔ تَقدیسُ الوَکیل عَنْ تَوْھِینِ الرَّشیدِ و الخَلِیل۔ مؤلّفہ مولانا غلام دستگیر قصوری۔ مطبوعہ از طلبۂ درجۂ فضیلت (۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء) الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یو پی، انڈیا) طبعِ سوم، یکم جمادیٰ الآخرہ ۱۴۳۳ھ/۲۲/ اپریل ۲۰۱۲ء)

''بعد، حمد و نعت کے کہتا ہے، راجِی رَحمۃَ ربِّہٖ المَنَّان، رحمتُ اللہ بن خلیل الرَّحمٰن، غَفَرَ لَھُمَا الحَنَّان کہ:

مدت سے، بعض باتیں، جناب مولوی رشید احمد صاحب (گنگوہی) کی، سنتا تھا۔

جو، میرے نزدیک، وہ، اچھی نہیں تھیں، اِعتبار، نہ کرتا تھا کہ، انہوں نے، ایسا کہا ہوگا۔

اور مولوی عبدالسَّمیع صاحب کو، جو، اُن کو، میرے سے رابطہ، شاگردی کا ہے، جب تک، مکہ معظّمہ میں، نہیں آئے تھے، تحریراً، منع کرتا تھا۔

اور مکہ معظّمہ میں آنے کے بعد، تقریباً بہت تاکید سے بِالمشافہ، منع کرتا تھا کہ آپس میں مختلف، نہ ہوں۔ اور علمائے مدرسہ دیوبند کو، اپنا بڑا سمجھو۔

پَر، وہ مسکین، کہاں تک، صبر کرتا؟

اور میرا اِعتبار نہ کرنا، کس طرح، مُمتد رہتا؟ کہ:

حضرات علمائے مدرسہ دیوبند کی تحریر اور تقریر، بطریقِ تَوَاتُر، مجھ تک پہنچی کہ تمام افسوس سے کچھ کہنا پڑا۔ اور چپ رہنا، خلافِ دیانت سمجھا گیا۔

سو، کہتا ہوں کہ:

مَیں، مولوی رشید احمد کو، رشید سمجھتا تھا۔ مگر، میرے گمان کے خلاف، کچھ اور ہی نکلے۔

جس طرف آئے، اُس طرف، ایسا تعصُّب برتا کہ:

اس میں، ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے، رومٹا، کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت (گنگوہی) نے اوّل قلم، اِس پر اٹھایا کہ:

جس مسجد میں ایک دفعہ، جماعت ہوئی ہو، اس میں دوسری جماعت، گو، بغیر اذان اور تکبیر کے ہو، اور دوسری جگہ ہو، جائز نہیں۔

آپ کا اور آپ کے متبعین کا، وہ حکم تو، نہ تھا، جو، نجدیوں کا، وقت حکومت مکہ معظّمہ کے تھا کہ، جو، جماعتِ اوّل میں، حاضر، نہ ہوتا، اُسے سزا دیتے۔

سو، آپ کا، اور آپ کے متبعین کا، ایسا حکم، جاہلوں کے واسطے "مَنّ وسَلویٰ" ہو گیا کہ سب موسموں میں، خاص کر، شدتِ گرمی میں، عُذر، ہاتھ آ گیا کہ:

عُذر کے سبب، اب تو، جماعت، فوت ہو گئی ہے، دوسری جماعت، جائز نہیں۔

دوکان اور گھر چھوڑ کر، مسجد میں، کس واسطے جاویں؟

اور عُلما نے خلاف، اُن کے لکھا۔

کب سنتے تھے؟ اور اپنی ہٹ پر، روز روز بڑھتے تھے۔

(چند سطروں کے بعد) **پھر، حضرت مولوی رشید احمد**

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کے نواسے کی طرف، متوجہ ہوئے اور ان کی شہادت کے بیان کو، بڑی شدت سے، محرم کے دنوں میں، گو، کیسا ہی روایتِ صحیحہ سے ہو، منع فرمایا۔

حالاں کہ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے جناب مولانا اسحاق مرحوم تک، عادت تھی کہ عاشورہ کے دن، بادشاہِ دہلی کے پاس جا کر، روایاتِ صحیحہ سے، بیانِ حالِ شہادت کرتے تھے۔

یہ سب، اُن کے مشائخِ کرام واساتذۂ عِظام میں ہیں۔

سو، آپ کے تشدُّد کے موافق، ان مشائخِ کرام واساتذۂ عِظام کا، جو، حال ہے، وہ، ظاہر ہے۔

اور میرے نزدیک، اگر، روایاتِ صحیحہ سے حالِ شہادت کا بیان ہو، تو، فائدہ سے خالی نہیں۔

(چند سطروں کے بعد) پھر، حضرت رشید نے جو، نواسے کی طرف توجہ کی تھی

اُس پر بھی، اِکتفا نہ کر کے

خود، ذاتِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اِخْوَانِهٖ وَ آلِهٖ وَ اَصحابہٖ وَسَلَّم کی طرف، توجہ کی۔

پہلے، مولود کو ''کنھیّا کا جنم اشٹمی'' ٹھہرایا۔

اور، اس (مولود) کے بیان کو، حرام بتلایا۔

اور (سلام کے وقت) کھڑے ہونے کو، گو، کوئی کیسے ذوق وشوق میں ہو، بہت بڑا مُنکَر فرمایا۔

اِس ٹھہرانے، بتلانے، فرمانے سے، لکھوکھا عُلماے صالحین اور مشائخِ مقبولِ ربِّ العالمین ان کے نزدیک، بڑے نفرتی ٹھہر گئے۔

پھر، ذاتِ نبوی میں، اس پر بھی، اِکتفا، نہ کر کے، اور اِمکانِ ذاتی سے، تجاوُز کر کے چھ خاتم النَّبِیّین بِالْفِعل، ثابت کر بیٹھے۔

اور اِمکانِ ذاتی کے باعتبار تو، کچھ حد ہی، نہ رہی۔

اور، ان کا مرتبہ، کچھ بڑے بھائی سے، بڑا، نہ رہا۔

اور بڑی کوشش، اِس میں کی کہ:

حضرت (صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم)، کا علم، شیطانِ لَعین کے علم سے، کہیں کم تر ہے۔

اور اس کے خلاف کو، شرک فرمایا۔

پھر، اس توجہ پر، جو، ذاتِ اَقدسِ نبوی کی طرف تھی، اِکتفا، نہ کیا۔

اور ذاتِ اقدسِ اِلٰہی کی طرف بھی، متوجہ ہوئے، اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ:

اللہ کا جھوٹ بولنا، ممتنع بِالذّات نہیں۔ بلکہ، اِمکان، جھوٹ بولنے کو اللہ کا بڑا وصفِ کمال کا فرمایا۔ نَعوذُ بِاللہِ مِنْ ھٰذہِ الْخُرافات۔

میں، تو، اِن اُمور کو، ظاہر اور باطن میں، بہت بُرا سمجھتا ہوں۔

اور اپنے محبین کو، منع کرتا ہوں کہ:

حضرت مولوی رشید کے، اور ان کے چیلے چانٹوں کے، ایسے ارشادات، نہ سنیں۔

اور، میں، جانتا ہوں کہ مجھ پر، کُھلا تبرّا ہوگا۔ لیکن! جب:

جمہور عُلماے صالحین اور اَولیاے کاملین اور رسولِ ربِّ الْعالمین اور جناب باری

جہاں آفرین، ان کی زبان اور قلم سے، نہ چھوٹے، تو، مجھے کیا شکایت ہوگی؟ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

اَلْعَبْد محمد رَحمۃُ اللہ بن خلیل الرَّحمٰن غَفَرَ لَھُمَا الْحَنَّان۔

۱۵/ذو القعدہ ۱۳۰۷ھ۔ از مکہ معظّمہ۔

(ص ۴۴۷ تا ص ۴۵۱۔ ''تَقْدِیسُ الْوَکِیل عَنْ تَوْھِینِ الرَّشِیدِ و الْخَلِیل''۔ مؤلّفہ مولانا غلام دستگیر قصوری لاہوری۔ مطبوعہ از طلبۂ درجۂ فضیلت، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ طبعِ سوم ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء)

''تَقْدِیسُ الْوَکِیل'' کے آخر میں، مولانا غلام دستگیر قصوری لکھتے ہیں کہ:

میں نے، ایک مختصر تحریر، اِس مضمون کی تیار کی:

(۱) جاننا چاہیے کہ، شرعاً و عُرفاً اور عقلاً، اِمکانِ کذبِ حق سُبْحٰنَہٗ وتعالیٰ، محال اور **ممتنع** ہے۔ اور ایسا ہی امکانِ نظیرِ محمدی سرورِ عالم خاتم النَّبِیّین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم، محال و **ممتنع** ہے۔ الخ۔

(۲) بشریّت وغیرہ میں، سرورِ کائنات عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَ السَّلام سے جُملہ بنی آدم کو، مُساوی جاننا، محققین کی تصریح کے خلاف ہے۔ الخ۔

(۳) شیطانِ لَعین کی، وُسعتِ علم اور اِحاطۂ زمین کو، نُصوصِ قطعیہ سے ثابت جاننا۔

اور عالِمِ عِلْمِ الْاَوَّلین وَ الْآخِرین، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ وَ عِتْرَتِہٖ اَجْمَعِین کی وُسعتِ علم کو، بلا دلیل محض قیاسِ فاسد سے ثابت کہنا، اور اس کو، شرک سے تعبیر کرنا۔

اور آپ کے علم شریف کو، معاذ اللہ، شیطان کے علم سے کم لکھ دینا، یہ آپ کی سخت توہین ہے۔

کیوں کہ، شرعاً، ثابت ہے کہ:

آنحضرت عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام، اَعلمِ مخلوقات ہیں۔ الخ۔

(۴) مجلسِ مولود شریف، مروَّجۂ عرب و عجم کو **''کنھیّا کے جنم''** سے مشابہت دینی، اور بدعتِ سیئہ وحرام کہنا، اور اس مجلس کے قیام کو، کہ بنظرِ تعظیم ذکرِ خیر و رعایتِ ادب کے، مستحسن جانا گیا ہے، اسے حرام، بلکہ، شرک و کفر لکھ دینا۔

اور فاتحۂ اَرواحِ اَولیا وصُلَحا و سائرِ مومنین، کو، **برہمنوں کے اشلوک پڑھنے کے مشابہ** کہنا، **سخت قبیح کلمات ہیں۔''** الخ۔

(۵) عُلماے دینِ متین، خصوصاً مفتیانِ حَرمین شریفین زَادَ ھُمَا اللّٰہُ شَرَفاً وَ تَعظِیماً کے شکوے اور معائب، تحریر کرکے، چھپوا کے تشہیر کرنی، نہایتِ مخالفتِ شرعِ ازہر ہے۔ الخ۔

بقلم محمد ابوعبدالرحمٰن، فقیر غلام دستگیر، قصوری، کانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ در مکہ معظّمہ۔ ۱۸؍ربیعُ الاوّل ۱۳۰۸ھ۔

اپنی مندرجہ بالا تحریر، مولانا غلام دستگیر، قصوری نے، حضرت حاجی اِمدادُاللہ، چشتی صابری مہاجرِ مکی کی خدمت میں، پیش کی۔

تو، ''حضرت حاجی صاحب موصوف نے، اِس تحریر کو ملاحظہ فرما کر

حضرت مولانا بالفضلِ وَالکمالِ اَوْلَانا الحاج الحافظ محمد عبدالحق (شیخُ الدَّ لائل) کی خدمت میں بھیجا، تو، انہوں نے اس پر، یہ لکھا:

حامِداً وَ مُصَلِّیاً وَ مسَلِّماً۔ ماکُتِبَ فی ھٰذا الْقِرطاسِ صَحیحٌ، لارَیْبَ فِیْہِ۔

وَ اللّٰہُ سُبْحٰنہٗ وَ تَعَالیٰ اَعْلَم وَ عِلْمُہٗ اَتَمُّ۔

حرَّرَہٗ محمد عبدُ الْحق عُفِیَ عَنُہٗ۔

پھر، حاجی صاحب نے، یہ تحریر فرمایا:

''تحریر بالا صحیح اور درست ہے۔ اور مطابق اِعتقادِ فقیر کے، ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے کاتِب کو، جزائے خیر دے۔ آمین۔

(ص ۷۷،۷۸۔ ''تقْدِیسُ الْوَکِیل عن تَوھِینِ الرَّشیدِ وَ الْخَلِیل''۔ مؤلّفہ مولانا غلام دستگیر، قصوری)

پایۂ حرمین، مولانا رحمتُ اللہ، عثمانی، کیرانوی و شیخُ الدَّ لائل، مولانا محمد عبدالحق، الہ آبادی وحاجی اِمدادُاللہ، مہاجرِ مکی اور دیگر عُلما و مشائخِ اہلِ سنّت کی مسلسل تنبیہ و ہدایت کے باوجود مذکورہ عُلمائے دیوبند کا، مسلسل اِنحراف، روزِ روشن کی طرح، واضح ہے۔

عقائد و افکارِ اہلِ سنّت پر مشتمل ایک کتاب ''اَنوارِ احمدی'' مؤلّفہ، شیخُ الاسلام، مولانا انوارُ اللہ، فاروقی، حیدرآبادی (وصال ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) تلمیذِ حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی لکھنوی و حضرت مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی و خلیفۂ حاجی اِمدادُاللہ، مہاجرِ مکی پر

حاجی صاحب کی تقریظ و تصدیق بھی، اِس ضمن میں، کافی اہمیت کی حامل اور شایانِ مطالعہ ہے۔

شیخُ الاسلام، حضرت مولانا انوارُ اللہ، فاروقی، حیدرآبادی (وصال ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) نے اپنی کتاب ''اَنوارِ احمدی'' اپنے پیر و مُرشد، حضرت حاجی اِمدادُ اللہ، چشتی صابری، مہاجرِ مکی کو، مکمل سنایا۔ جس کی آپ نے تائید و تصویب فرمائی اور خود ہی آپ نے اس کتاب کا نام ''انوارِ احمدی'' رکھا۔ اس کے بعد، عربی و اردو زبان میں تحریری تصدیق و توثیق بھی فرمائی، جسے قارئینِ کرام، ملاحظہ فرمائیں:

..........وَجَدْتُهُ مُوَافِقاً لِلسُّنَّةِ فَسَمَّيْتُهُ بِالْاَنْوَارِ الْاَحمدِیۃ۔
وَ اِنَّمَا ھٰذا مَذھَبِی وَ عَلَیْہِ مَدارُ مَشْرَبِی۔
یَقبلُہُ رَبُّ الْمَقبولِین وَ جَعلَہٗ ذَخِیرۃً لِیَومِ الدِّین۔(انوارِاحمدی،مطبوعہ لاہور)

ترجمہ: میں نے، اس کتاب کو، سنّتِ کریمہ کے مطابق پایا۔
اِس لئے میں نے، اِس کتاب کا نام،''انوارِاحمدی''، رکھا۔
اور، یہی میرا مذہب ہے اور اس کے مشتملات پر ہی، میرے مسلک و مشرب کا، مدار ہے۔
مقبول بندوں کا پروردگار، اسے قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔''

(ص ۱۵ وص ۱۶۔ انوارِاحمدی۔ فرید بک اسٹال، لاہور)

اپنی اردو تصدیق و تقریظ میں، حاجی اِمدادُ اللہ، مہاجرِ مکی، تحریر فرماتے ہیں:

''.........اِن دِنوں، ایک عجیب و غریب کتابِ لاجواب، مسمّٰی بہ ''انوارِ احمدی'' مصنّفہ حضرت علّامۂ زَماں و فَریدِ دَوراں، عالِمِ باعمل و فاضلِ بے بدل، جامعِ علومِ ظاہری و باطنی عارف بِاللہ، مولوی محمد انوارُاللہ، حنفی وچشتی، سَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعالیٰ، فقیر کی نظر سے گذری۔
اور، بہ لسانِ حق ترجمانِ مصنّف علاّمہ، اوّل سے آخر تک سنی۔
اِس کتاب کے، ہر ہر مسئلے کی تحقیقِ محققانہ میں، تائیدِ رَبّانی پائی گئی کہ:
اس کا ایک ایک جُملہ اور فقرہ، اِمداد، مذہب اور مشربِ اہلِ حق کی، کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔''
(انوارِاحمدی۔ مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور)

''انوارِ احمدی'' کا ایک اِقتباس، یہاں پیش کیا جا رہا ہے جس سے، اِمتناعِ نظیرِ محمدی کا عقیدۂ اہلِ سنّت، بقلمِ شیخ الاسلام حیدرآبادی و بتائیدِ حاجی صاحب، مزید روشن و واضح ہو جاتا ہے:

''بھلا، جس طرح، حق تعالیٰ کے نزدیک، صرف آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّم خَاتَمُ النَّبِیّٖن ہیں، ویسا ہی، اگر، آپ کے نزدیک بھی رہتے، تو، اس میں آپ کا، کیا نقصان تھا؟
کیا، اِس میں بھی، کوئی شرک و بدعت، رکھی تھی، جو، طرح طرح کے شاخسانے، نکالے گئے؟
یہ، تو، بتایئے کہ:
ہمارے حضرت (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّم) نے، آپ کے حق میں (مَعاذَ اللّٰہ) ایسی کون سی بد سلوکی، کی تھی۔

جو،اس کا بدلہ، اِس طرح لیا گیا کہ،فضیلتِ خاصّہ بھی مسلّم ہونا، مطلقاً، ناگوار ہے؟
یہاں تک کہ، جب دیکھا کہ، خود، حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ:
آپ، سب نبیوں کے خاتم ہیں۔
تو، کمالِ تشویش ہوئی کہ،فضیلت خاصّہ، ثابت ہوئی جاتی ہے۔
جب، اس کے اِبطال کا، کوئی ذریعہ، دینِ اسلام میں، نہیں ملا۔
تو، فلاسفۂ مُعانِدین کی طرف، رُجوع کیا۔
اور امکانِ ذاتی کی شمشیرِ دودَم (دودھاری تلوار) اُن سے لے کر، میدان میں آ کھڑے ہوئے۔
افسوس ہے۔ اِس دُھن میں، یہ بھی، نہ سوچا کہ:
معتقدینِ سادہ لوح کو، اس خاتمِ فرضی کا انتظار، کتنے کنویں، جھُنکائے گا؟
مقلّدینِ سادہ لوح کے دلوں پر، اتنا اثر، تو، ضرور ہوا کہ:
آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کی خاتمیت میں، کسی قدر، شک پڑ گیا۔
چنانچہ، بعض اَتباع (متبعین) نے، اِس بِنا پر، الف لام، خاتم النَّبِیّٖن سے بات بنائی کہ:
حضرت، اُن نبیوں کے خاتم ہیں، جو، گذر چکے ہیں۔"
جس کا مطلب، یہ ہوا کہ:
حضور کے بعد بھی، انبیا، پیدا ہوں گے۔ اور ان کا خاتم، کوئی اور ہوگا۔
معاذَ اللّٰہ ! اِس تقریر نے، یہاں تک پہنچا دیا کہ، قرآن کا انکار، ہونے لگا۔
ذرا سوچیے تو، کہ، حضور کے خاتم النَّبِیّٖن ہونے کے سلسلے میں، یہ سارے اِحتمال حضور کے روبرو، نکالے جاتے، تو، حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ سَلَّم) پر، کتنا شاق، گذرتا؟

(ص ۷۰ و ص ۷۱۔ انوارِ احمدی۔ مؤلّفہ مولانا انوارُ اللہ فاروقی، حیدرآبادی۔ مکتبہ فرید بک اسٹال، لاہور)

اپنے بعض خُلَفا کا اِنحراف اور بعض افکار و مسائلِ اہلِ سنّت سے ان کا اختلاف دیکھ کر ان کی تنبیہ و تفہیم و ہدایت کے لئے، حاجی صاحب کا ایک رسالہ بنام "فیصلۂ ہفت مسئلہ" شائع ہوا۔
حاجی صاحب نے، اپنے اِس رسالے میں (۱) اِمتناعِ کذبِ باری تعالیٰ (۲) اِمتناعِ نظیرِ محمدی (۳) ندائے غیر اللہ (۴) جماعتِ ثانیہ (۵) میلادُ النبی (۶) فاتحہ (۷) عرس۔
اِن سارے مسائل میں، مذہب و مسلکِ اہلِ سنّت کا، اِثبات اور ان کی تائید کی ہے۔

حضرت حاجی صاحب نے، اپنے ایک خلیفۂ خاص، مولانا صوفی محمد حسین، چشتی، الہ آبادی (وصال ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) کے نام، مکہ مکرّمہ سے، ایک مکتوب (محرّرہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) کے ذریعہ معلوم کیا کہ:

ہماری تحریر سے، اِختلاف کا کچھ تصفیہ، ہوا، یا نہیں؟

مولانا صوفی محمد حسین، چشتی، الہ آبادی نے، تحقیقِ حال کر کے، حاجی صاحب کو، لکھا کہ:

عُلمائے دیو بند نے، آپ کی تحریر کو، نگاہِ غلط انداز سے بھی، نہیں دیکھا۔

بلکہ "فیصلۂ ہفت مسئلہ" کو، نذرِ آتش کرا دیا۔

(ص ۴۷۔ صابری سلسلہ۔ مؤلّفہ وحید احمد مسعود۔ بدایوں۔ ۱۹۷۱ء)

حاجی صاحب کے "**فیصلۂ ہفت مسئلہ**" کو، نذرِ آتش کرانے کا حادثہ، خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی (متوفی جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/ مارچ 2015ء۔ درگاہِ محبوبِ اِلٰہی، نظام الدین اولیا، نئی دہلی) کی زبانی سنیے:

"نذرِ آتش کرنے کی خدمت، والدِی، حضرت، خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی۔

جو، اُس وقت گنگوہ میں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں، زیرِ تعلیم تھے۔

لیکن! خواجہ صاحب نے، جلانے سے پہلے، اُس کو پڑھا۔

اور جب، ان کو، وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی، تو، انہوں نے اپنے استاد کے حکم کی تعمیل میں **آدھی کتابیں تو، جلا دیں اور آدھی بچا کر، رکھ لیں۔**" الخ۔ (ص ۲۲۔ ماہنامہ "مُنادِی" دہلی۔ جلد ۳۹۔ شمارہ نمبر ۱۲)

اپنے شیخ و مُرشِد، حاجی امداد اللہ، مہاجرِ مکی (متوفی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کے بارے میں **مولانا رشید احمد، گنگوہی کا، خیال تھا کہ:**

"جن کے امام، حاجی صاحب ہیں، اس میں ہم، ان کے، مقلّد ہیں۔

باقی فرعیات کے امام، ہم، ہیں۔

حاجی صاحب کو، چاہیے کہ، ہم سے پوچھ کر، عمل کریں۔"

اور، مولوی قاسم، نانوتوی نے کہا:

ہماری معلومات، زائد۔ اور حاجی صاحب کا علم، زائد ہے۔"

اور، مولوی اشرف علی، تھانوی نے تو، اس اختلاف کو، جائز قرار دینے کے لئے

اپنی ساری قابلیت، صَرف کردی۔ مگر، ساتھ ہی، ازراہِ انصاف، یہ بھی کہا کہ، بقول شخصے:

تانباشد چیز کے، مَردم نگویند چیز ہا۔

(ص۴۹۔ **صابری سلسلہ**۔ مؤلّفہ وحید احمد مسعود۔ بدایوں۔ ۱۹۷۱ء)

ماضی قریب میں، دہلی کی ایک متحرک وفعّال شخصیت، مولانا امداد صابری، دہلوی کی تھی۔

وہ، لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حاجی صاحب کے مریدین میں، ہر طبقہ اور ہر خیال کے دیوبندی اور بریلوی دونوں حضرات تھے۔

ایک طرف، حضرت مولانا قاسم، نانوتوی وحضرت مولانا محمد یعقوب، نانوتوی وحضرت مولانا رشید احمد، گنگوہی اور مولانا اشرف علی، تھانوی تھے۔

اور، دوسری طرف، بریلوی عقائد کے، حضرت حاجی عابد حسین صاحب، دیوبندی (۱) حضرت مولانا عبد السمیع صاحب، بیدلؔ، رام پوری، حضرت مولانا محمد حسین، الہ آبادی، حضرت مولانا افضل، بخاری، اکبر آبادی، حضرت مولانا کرامتُ اللہ صاحب، دہلوی اور حضرت مولانا سید محمد حمزہ، وغیرہ تھے۔''

(ص ۱۰۲ وص ۱۰۳۔ ''**داستانِ شرف**'' مؤلّفہ مولانا امداد صابری، دہلوی۔ ناشر: سعید خاں میونسپل کونسلر پہاڑی اِملی، دہلی۔ ۱۹۷۹ء)

''**اِمدادُ المشتاق**'' میں، حاجی اِمدادُ اللہ، مہاجرِ مکی نے، اپنے خُلَفا کے بارے میں فرمایا:

''**میرے خُلفا، دو قسم کے ہیں۔** ایک، وہ، جنہیں، میں نے، ازخود، خلافت دی ہے۔

دوسرے وہ، جن کو، تبلیغِ دین کے لئے، اُن کی درخواست پر، اجازت دی ہے۔''

جن خُلفا کو، ازخود، خلافت دی ہے، انہوں نے، پوری طرح، حاجی صاحب کی اِتّباع کی۔ مثلاً:

مولوی لطف اللہ، علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ) مولوی احمد حَسَن، کان پوری (م ۱۳۲۲ھ) مولوی محمد حسین، الہ آبادی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی عبد السمیع، بیدلؔ، رام پوری (م ۱۳۱۸ھ)

جن خُلفا نے، حاجی صاحب سے اختلاف کیا، اُن میں:

مولوی محمد قاسم، نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مولوی رشید احمد، گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) اور مولوی اشرف علی، تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے اسمائے گرامی، سرِ فہرست ہیں۔''

(ص ۴۶۔صابری سلسلہ۔مؤلّفہ وحید احمد مسعود۔بدایوں۔۱۹۷۱ء)

مولانا اشرف علی، تھانوی کے متعدد بیانات سے، اچھی طرح، واضح ہو جاتا ہے کہ:
مولانا رشید احمد، گنگوہی، اپنے پیر، حاجی اِمداد ُاللہ، چشتی صابری، مہاجرِ مکی کے افکار وخیالات ومعمولات سے، کتنی دور، جا پڑے تھے۔

''مکہ معظّمہ میں، حضرت مولانا (رشید احمد) گنگوہی سے

حضرت حاجی (امداد ُاللہ) صاحب نے فرمایا کہ:

فلاں جگہ، مولود شریف ہے۔تم، چلتے ہو؟

حضرت مولانا گنگوہی نے، صاف انکار کر دیا کہ:

نہیں، حضرت! میں نہیں جا سکتا۔کیوں کہ، مَیں، ہندوستان میں، اس کو منع کیا کرتا ہوں۔''

(ص ۳۸۔قصص الاکابر، حصہ اول۔از مولانا اشرف علی تھانوی۔مطبوعہ ادارہ اشرفُ الامداد، لاہور)

(امیر شاہ صاحب نے فرمایا کہ)''جب، مولوی صادقُ الیقین، حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جانے لگے تو مولانا گنگوہی......نے وصیت فرمائی......کہ:

''میاں مولوی صادقُ الیقین!

جیسے جارہے ہو، ویسے ہی چلے آئیو۔اپنے اندر کوئی تغیُّر، نہ پیدا کیجیو۔''

ہمارے حضرت نے فرمایا کہ، اس سے، مولانا (گنگوہی) کا، یہ مطلب تھا کہ:

وہاں جا کر، حاجی صاحب رَحمۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے افعال، میرے خلاف، دیکھو گے۔

اگر، مجھ سے عقیدت رہی، تو، حاجی صاحب کو، چھوڑ دو گے۔

اور، اگر، حاجی صاحب سے عقیدت رہی، تو، مجھے، چھوڑ دو گے۔

چنانچہ، انھوں نے مسلک، مولانا (گنگوہی) کا رکھا اور حضرت حاجی صاحب کے جاں نثار تھے۔

..........مجھ سے، مولوی صادقُ الیقین کہتے تھے کہ:

حضرت حاجی صاحب کے یہاں، اور مولانا (گنگوہی) کے یہاں

تو، زمین وآسمان کا فرق ہے۔کوئی تطبیق، ہو ہی نہیں سکتی۔''

(ص ۳۱۸۔۳۱۹۔اَرواحِ ثلثہ۔واقعات وملفوظاتِ مولانا تھانوی)

خواجہ حسن ثانی نظامی (متوفی جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/ مارچ ۲۰۱۵ء۔درگاہِ محبوب اِلٰہی

نظامُ الدّین اولیا، نئی دہلی) لکھتے ہیں:

’’اِس حقیقت سے، کوئی انصاف پسند آدمی، انکار نہیں کرسکتا کہ:

برِّصغیر کے صوفی بزرگ، حضرت مولانا حاجی اِمدادُ اللہ، مہاجِرِ مکی کے عقائد

اُن عقائد سے مختلف تھے، جو، اُن کے مُبیَّنہ پَیروکاروں کا، طُرَّہ ٔاِمتیاز ہیں۔

اور جن کی وجہ سے ’’چشتی صابری‘‘ نسبت کے باوجود، ’’ دیوبندی اسکول‘‘ کو تصوف اور چشتیت کے لئے، ایک تہمت سمجھا جانے لگا ہے۔

پیرومُرشد کے عقائد سے، ایسا اختلاف، حیرت انگیز بھی ہے۔

اور، تصوف کی تاریخ میں، اس کی کوئی مثال بھی نہیں ملتی۔‘‘

(ص ۷۔ ’’اِفتتاحِ سخن‘‘، بقلم خواجہ حسن ثانی نظامی، در کتاب ’’**سید احمد شہید کی صحیح تصویر**‘‘ مؤلفہ وحید احمد مسعود، بدایونی۔ مکتبہ مسعود۔ رام گڑھ۔ لاہور۔ بارِسوم، ۱۹۶۶ء)

مولانا اِمداد، صابری، دہلوی، اپنے والد، مولانا شرفُ الحق، دہلوی، مُرید حضرت حاجی اِمدادُ اللہ ، مہاجرِ مکی کے نام، مولانا رشید احمد، گنگوہی کا، ایک نہایت اہم خط، نقل کرتے ہیں۔

جس میں، حضرت حاجی اِمدادُ اللہ کے خیالات و افکار و مسائل اور آپ کے رسالہ ’’**فیصلۂ ہفت مسئلہ**‘‘ کو، صراحۃً، مسترد کر دیا گیا ہے۔ مولانا امداد صابری، دہلوی لکھتے ہیں کہ:

’’حضرت والد ماجد، مولانا شرفُ الحق صاحب، قادری، صابری، صدیقی

حضرت مولانا رشید احمد، گنگوہی کے تلامذہ میں سے تھے۔

ان کو، **۳۰**/اپریل **۱۸۹۵**ء کو، ایک خط، ہدایت نامہ کی صورت میں آیا، جس کی عبارت، یہ ہے:

از بندہ رشید احمد عُفِیَ عَنْہُ   بعد سلام مسنون!

اب، بندہ، تندرست ہے۔ مگر، ضعفِ طبعی، بہ سبب پیرانہ سالی کے، اور کچھ اثرِ مرض ہے۔

حضرت (حاجی اِمدادُ اللہ) سَلَّمَہُ اللہُ نے، اپنے آخری وقت میں

اپنے واسطے، سامان، بدنامی کا، پسند فرمایا۔

اگر چہ، تالیف و تحریر، مولانا اشرف علی صاحب کی ہے۔ مگر، حسبِ ارشاد، حضرت کے انہوں نے جمع کیا۔ اگر، دو فقرہ، ہر مسئلہ پر لکھ دیتے، تو، کچھ خرابی، نہ ہوتی۔

اب، متبادِر معنیٰ سے، اِعانت، بدعات کی ہوتی ہے۔ اور بدعتی کو، تو، حجت ہوگئی۔

اور ہم لوگوں کو، مخالفت کرنا بھی، ضروری ہے کہ، عقائد کے مسائل ہیں۔
اگر چہ، حضرت نے فیصلہ کرنا چاہا۔ مگر، فیصلہ، ہر گز نہیں ہوسکتا۔
ظاہر مضامین، جوابِ مسائل، اور فیصلہ، خلافِ شریعت ہے۔ اگر چہ، بہ تاویل، صحیح ہوسکتا ہے۔
اب، بہ مقابل اہلِ بدعت، یہی کہیے کہ:
اگر چہ، حضرت نے، یہ لکھا ہے، تاہم، غلط ہے۔
حضرت، نہ مُجتہد تھے، نہ عالم، نہ علمِ شریعت کے ماہر۔
اگر، کسی وجہ سے، ان کو غلط فہمی ہو، تو، ہم پر حجت نہیں۔
ہم، ان کے، علم میں، مقلّد نہیں۔ پس جواب دو۔ فقط والسّلام۔
(ص ۱۰۳ و ۱۰۴۔ ''**داستانِ شرف**'' مؤلّفہ مولانا امداد صابری، دہلوی۔ ناشر: سعید خاں۔ میونسپل کونسلر۔ پہاڑی اِملی دہلی ۱۹۷۹ء) (۲)

---

(۱) یہ حقیقت، واضح رہے کہ ''مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی''، دیو بند (قائم شدہ ۱۵ محرمُ الحُرام ۱۲۸۳ھ/ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) کے مجوّز و محرّک و بانی، حضرت حاجی سید عابد حسین، قادری، چشتی، دیوبندی (وصال ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء) ہیں۔
مدرسۂ دیو بند اور اس کے بانی، حاجی عابد حسین کے بارے میں، مختصر طور سے، چند تاریخی حقائق، ملاحظہ فرمائیں:
''حاجی (عابد) صاحب نے، تین چلّے کیے۔ پہلا، جنگل میں۔ دوسرا، چودھری صابر بخش کی مسجد میں۔ اور تیسرا، مسجد چَھتَّہ میں۔ جب آپ، تیسرے چلّے ہی میں تھے کہ، آپ کو، مدرسہ، قائم کرنے کا، اِلہام ہوا۔
جمعہ کی شب، خواب دیکھا کہ:
حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّم، تشریف فرما ہیں۔ اور حاجی صاحب قُدِّس سِرَّہٗ، کو، حکم فرما رہے ہیں کہ:
یہاں، ایک عربی مدرسہ، دینِ اسلام کی بقا اور ترویج کے لئے قائم کیا جائے۔''
صبح، حاجی صاحب نے، دیو بند کے سر برآوردہ حضرات کو، مسجد چھتّہ میں بلایا۔
مولانا مہتاب علی، مولانا ذوالفِقار علی، مولانا فضلُ الرحمٰن، مولانا فضلِ حق، مولانا نذیر احمد اور دوسرے حضرات، شریک ہوئے۔
حضرت حاجی محمد عابد صاحب قبلہ نے، ان حضرات کے سامنے، اپنے، رات کے خواب کو، بیان کیا۔
اور ایک عربی مدرسہ کے قیام کی رائے، پیش فرمائی۔ اور فرمایا کہ:
''جب، پُرانے عالم، نہ رہیں گے، تو، کوئی مسئلہ بتانے والا بھی، نہیں ملے گا۔''

ان حضرات نے، مکمل طور پر تعاون کا یقین دلایا اور اِمداد کا وعدہ فرمایا۔

اِسی مجلس میں، حاجی صاحب، قُدِّس سِرَّہ' نے، اپنا سفید رومال، چندہ کے لئے بچھا دیا۔

اور ساتھ ہی، اپنی جیب سے تین روپے، اس رومال پر رکھے۔ اور ہمیشہ دینے کا وعدہ فرمایا۔

ان حضرات نے بھی، اپنا نام لکھوایا اور مجلس، ختم ہوگئی۔ یہ واقعہ ۲/ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ۔ بروز جمعہ کا ہے۔

صبح ہوئی۔ اِشراق کی نماز کے بعد، گلے میں جھولی ڈالی اور اپنے تین روپے، اس میں ڈالے۔

اور گھر گھر جا کر، چندہ کا عمل، شروع کر دیا۔ اور شام تک، چار سو ایک روپے آٹھ آنے، جمع ہو گئے۔

اور پھر، ڈیڑھ ماہ کی مدت میں، اتنے روپے جمع ہو گئے کہ ۱۵/ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو، دار العلوم کا قیام عمل میں آ گیا۔''

(ص ۳۔ روداد دار العلوم، دیوبند، ۱۲۸۳ھ۔ خواب اور چندہ کا واقعہ، تذکرۃُ العابدین، مؤلّفہ مولانا نذیر احمد، دیوبندی۔

مطبوعہ دہلی ۱۳۱۷ھ میں بھی، درج ہے)

''بعد نمازِ مغرب، نوافل و ختمِ خواجگان وغیرہ سے فراغ، حاصل کر کے، جو، کوئی مُرید، یا۔ مہمان ہوتا اُس سے باتیں کرتے۔ ہر جمعہ کو، بعد نمازِ مغرب، مولود شریف کی محفل کا، اِہتمام کرتے۔

اِس عمل میں، بہت زرِ کثیر، صَرف کرتے تھے۔ اور تا زیست، ہمیشہ کراتے رہے۔''

(ص ۷۷۔ تذکرۃُ العابدین۔ مؤلّفہ مولانا نذیر احمد، دیوبندی۔ مطبوعہ دہلی۔ ۱۳۱۷ھ)

خانوادۂ حاجی سید عابد حسین کے ایک رُکن، سید افتخار حسین، محلّہ ضیاءُ الحق، دیوبند لکھتے ہیں:

''جس زمانے میں، مدرسہ قائم ہوا، اُس زمانے میں، مولانا محمد قاسم نانوتوی، میرٹھ کے مطبع مجتبائی میں تصحیح کا کام، انجام دیتے تھے۔ جس کا ذکر، مولانا یعقوب نے ''سوانحِ عمریِ مولانا محمد قاسم'' (مطبوعہ ۱۳۰۷ھ) میں، کیا ہے۔ دیوبند میں، مولانا محمد قاسم کا قیام، ۱۲۹۰ھ سے پہلے، ثابت نہیں۔

............۱۳۰۶ھ میں، شاہ رفیعُ الدّین صاحب کے، دیوبند سے ہجرت کر جانے کے بعد، مدرسہ سے ایک اِشتہار، شائع ہوا تھا (جو، اَلْحَمْدُ لِلّٰه، ہمارے پاس، اب بھی محفوظ ہے)............اس اشتہار کا ایک ٹکڑا، یہ ہے:

''جملہ خیر خواہانِ مدرسہ کو، بہ سبب روانگی مولوی موصوف کے، نہایت تشویش، پیش آئی۔

ناچار، بجز اِس تدبیر کے، کوئی چارہ، نہ بن پڑا کہ سب مجتمع ہو کر:

بہ خدمتِ بابرکت، حضرت حاجی عابد صاحب

جو، بانیِ مدرسہ و مجوّزِ اول، مدرسہ ھٰذا، و حامی و سرپرست و سَر آمدِ اَربابِ شوریٰ ہیں۔

حاضر ہو کر، مُلتجی ہوئے کہ، اب، جناب، اِس کارِ اِہتمام کو، انجام دیں کہ، آخر، یہ مدرسہ، آپ ہی کا ہے۔

ابتدائی سالوں کی رودادوں میں، بار بار، حاجی محمد عابد صاحب کو، اصلِ اصولِ مدرسہ لکھا گیا۔"

ملاحظہ ہو: روداد ۱۲۸۶ھ۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (روزنامہ قومی آواز، نئی دہلی۔ شمارہ دسمبر ۱۹۹۷ء)

"سچی بات، یہی ہے۔ یہی واقعہ ہے۔ اور، اسی کو، واقعہ ہونا بھی چاہیے کہ:

جامعہ قاسمیہ، یا۔ دیوبند کے دار العلوم کی جب، بنیاد پڑی

تو، سیدنا الامامُ الکبیر (مولانا، نانوتوی) اُس وقت، دیوبند میں، موجود، نہ تھے۔" الخ۔

(ص ۲۴۸۔ سوانحِ قاسمی، جلدِ دوم۔ مؤلّفہ مولانا مناظر احسن گیلانی)

"مولانا محمد قاسم نانوتوی، مدرسہ دیوبند کے اصل بانی، نہ تھے۔

لیکن! مدرسہ کو ایک شاندار دار العلوم بنانے کا خیال، آپ کا تھا۔" الخ۔

(ص ۲۰۰۔ موجِ کوثر۔ مؤلّفہ شیخ محمد اِکرام۔ مطبوعہ دہلی)

"دیوبند میں، حاجی صاحب کے سگے پوتے، سید شاداب، ہمارے ہم درس تھے۔

اُن کے پاس، بہت سے پرانے کاغذات ہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ:

قیامِ دار العلوم کے اوّل محرّک ومجوّز، حضرت حاجی صاحب ہی، تھے۔

البتّہ، حضرت مولانا محمد قاسم، نانوتوی سمیت، دوسرے اکابر سے، صلاح ومشورہ کیا جاتا رہا۔" الخ۔

(روزنامہ قومی آواز، نئی دہلی۔ ۲ رجنوری ۱۹۹۸ء۔ بقلم مولانا عبدالحمید نعمانی قاسمی، ناظمِ نشر واشاعت جمعیۃ العلماء ہند)

"مجھے یاد ہے۔ مَیں، اُس وقت، دار العلوم دیوبند میں، تعلیم، حاصل کر رہا تھا۔

شیخُ الاسلام، مولانا سید حسین احمد اور شیخُ الادب والفِقہ، مولانا اِعزاز علی، حیات تھے۔

مولانا مناظر اَحسن گیلانی کو، "بانیِ دار العلوم کون؟" تحقیق، سپرد کی گئی۔

مولانا مناظر اَحسن گیلانی نے، اپنے قلم سے، حضرت حاجی صاحب کو، بانیِ دار العلوم تحریر کیا۔

قاری طیب صاحب نے اعتراض کیا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے فرمایا:

میری تحقیق، یہی ہے کہ، حضرت حاجی عابد، بانیِ دار العلوم ہیں۔

اور میں، اپنے قلم سے اس کو قلم زَد نہیں کروں گا۔ آپ کی مرضی! آپ، اپنے قلم سے، اس کو، قلم زَد کر دیجیے۔"

قاری صاحب نے، برہمی کا اظہار فرمایا۔ اور اپنے قلم سے، اس کو، قلم زَد کر دیا۔

حقیقت، یہی ہے کہ دار العلوم کے بانی، حضرت حاجی عابد ہیں۔

حافظ محمد احمد، مہتمم رہے۔ پھر، ان کے بیٹے، مولانا محمد طیب، مہتمم رہے۔ اِس وجہ سے:

ان کے دادا، (مولانا محمد قاسم، نانوتوی) دار العلوم کے بانی، بن گئے۔"

(روز نامہ،قومی آواز،نئی دہلی۔شمارہ ۱۶/دسمبر ۱۹۹۷ء۔بقلم مولانا محمد یونس، فاضلِ دار العلوم، دیو بند)

''چوں کہ،لوگوں کے دلوں میں،خلوص نہیں رہا،اِس لئے اِختلافات،رونما ہوتے رہے۔

نتیجہ،یہ ہوا کہ،ایک وقت،وہ،آیا کہ:

آپ(حاجی عابد)مدرسہ کے کاروبار سے الگ ہوگئے اور فرمایا:

اب،لِلّٰھیت،نہ رہی، بلکہ،نفسانیت آگئی۔فقیر کو،اِن سب باتوں سے کیا غرض؟''

(ص ۷۶۔تذکرۃُ العابدین۔ازمولانا نذیر احمد، دیو بندی۔مطبوعہ دہلی۔۱۳۱۷ھ)

''مجھے،عرض کرنے دیجیے کہ:

یہ آویزش،''خالص نظریاتی جنگ''تھی۔میں،تفصیلات میں،تو،ہرگز نہ جاؤں گا۔

اِس لئے کہ،وہ،ایک دل خراش تاریخ کا باب ہے۔لیکن،اپنے علم ومطالعہ کی روشنی میں،اتنا ضرور،عرض کروں گا کہ:

جو دیو بند،حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیرِ تربیت بن رہا تھا،وہ،یقیناً،اُس دیو بند سے مختلف ہوتا

جس کا تعارف اور شہرت،عالَمِ اِسلام سے گذر کر،اَقصاے عالَم تک پہنچ چکی ہے۔''

(ص ۴۹۔ ماہنامہ''البلاغ'' کراچی۔ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ/ مارچ ۱۹۶۹ء۔بقلم مولانا انظر شاہ کشمیری،شیخُ الحدیث دار العلوم،دیو بند،فرزندِ مولانا انور شاہ کشمیری،شیخُ الحدیث، دار العلوم، دیو بند ضلع سہارن پور۔یو پی)

''سمجھنے کے لئے،اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ:

چَھتَّہ کی مسجد، جہاں سے دار العلوم کی ابتدا ہوتی ہے،حضرت حاجی صاحب کی نشست گاہ،یہی مقدس عمارت تھی۔

اس مسجد میں،رمضانُ المبارک کے چاروں جمعوں میں

اب تک،میلاد،حضرت حاجی صاحب کی یاد میں،جاری ہے۔

میں نے کیا لکھا؟بس!اِس اِجمال میں،نکتہ سنج،اُن ساری تفصیلات کو پڑھ لیں، جسے میں نے

کم از کم،تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ کے قطعاً خلاف،سنانے سے پہلو بچالیا۔''

(حاشیہ ص ۵۰۔ماہنامہ''البلاغ''،کراچی۔شمارہ مارچ ۱۹۶۹ء۔بقلم مولانا انظر شاہ کشمیری)

(۲)جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد، جب،متحدہ ہندوستان کے حالات،انتہائی ناگفتہ بہ ہوئے تو حاجی اِمدادُ اللہ چشتی صابری،مہاجرِ مکی،۱۲۷۴ھ/۱۸۵۹ء میں، ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور ساری عمر، وہیں گذار دی اور مکہ مکرمہ ہی میں،۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں،آپ کا انتقال بھی ہوگیا۔جنتُ المعلیٰ،مکہ مکرمہ میں آپ کی،تدفین ہوئی۔

مولانا رحمتُ اللہ،عثمانی،کیرانوی(متوفی رمضان ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء)کا بھی،کچھ ایسا ہی معاملہ ہے کہ:

رجب ۱۲۷۰ھ/اپریل ۱۸۵۴ء میں،آپ نے آگرہ میں، پادری فنڈر سے مناظرہ کر کے اُسے شکستِ فاش دی

اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی، آپ نے حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ:

انگریز حُکّام، آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے۔

جس کے بعد، آپ نے، ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ مکرَّمہ میں، مستقل طور سے قیام پذیر ہوگئے۔

مکہ مکرَّمہ ہی میں ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں، آپ کا وصال ہوگیا۔ جنتُ المُعلیٰ، مکہ مکرَّمہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

سہارن پور کے، یہی دونوں حضرات، ایسے تھے، جنہیں، اُس وقت کے عُلماے سہارن پور، عام طور پر، اپنا بزرگ اور مُربی سمجھتے تھے۔ لیکن، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد، ہندوستان سے، جب، یہ دونوں حضرات چلے گئے، تو:

ان عُلما کے لئے میدان، صاف ہوگیا۔ اور اپنے اسلاف واکابر کی رَوِش سے تجاوُز و اِنحراف کا دروازہ، کُھل گیا۔

اِن دونوں حضرات نے، مکتوبات اور زبانی پیغامات کے ذریعہ، اصلاحِ حال کی کوشش کی۔ مگر، بےسود، رہی۔

اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے: **فیصلۂ ہفت مسئلہ۔**

کہا جاتا ہے کہ، حاجی اِمدادُاللہ، مہاجرِ مکی کے حکم سے، مولانا اشرف علی، تھانوی نے، اسے لکھا تھا اور اس کی اِشاعت حاجی صاحب کے نام سے ہوئی تھی۔

مولانا اشرف علی، تھانوی، اُس وقت تک، اپنے اسلاف کی رَوِش اور ان کے مسلک سے منحرف نہیں ہوئے تھے۔

چنانچہ "**فیصلۂ ہفت مسئلہ**" کو، مولانا رشید احمد گنگوہی کے حکم سے، نذرِ آتش کیے جانے کا جو حادثہ ہوا تھا، اُسی کا ایک اہم حصہ، خواجہ حسن ثانی نظامی، دہلوی (متوفی جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۶/ مارچ ۲۰۱۵ء) کی مندرجہ ذیل تحریر کے آخر میں، درج ہے:

"نذرِ آتش کرنے کی، یہ خدمت، والدِی، حضرت خواجہ حسن، نظامی کے سپرد ہوئی۔

جو، اُس وقت گنگوہ میں، حضرت مولانا رشید احمد، گنگوہی کے یہاں، زیرِ تعلیم تھے۔

لیکن! خواجہ صاحب نے، جَلانے سے پہلے، اس کو پڑھا۔ اور:

جب، ان کو، وہ کتاب، اچھی معلوم ہوئی تو انہوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں، آدھی کتابیں تو جلادیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد، مولانا اشرف علی، تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے۔ اور ان سے پوچھا کہ:

میں نے، کچھ کتابیں، تقسیم کرنے کے لئے آپ کے پاس بھیجی تھیں، ان کا کیا ہوا؟

مولانا گنگوہی نے اس کا جواب "خاموشی" سے دیا۔

لیکن! کسی حاضرُ الوقت نے کہا کہ:

علی حَسَن (خواجہ حسن نظامی) کو، حکم ہوا تھا کہ، انہیں، جلا دو۔

مولانا تھانوی نے، میاں علی حَسَن (خواجہ حَسَن نظامی) سے پوچھا کہ:

کیا واقعی، تم نے، کتابیں جلادیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ:

استاد کا حکم تھا، اِس لئے آدھی کتابیں، تو، میں نے، جلادیں اور آدھی، میرے پاس محفوظ ہیں۔"

حضرت خواجہ صاحب، بیان کرتے تھے کہ:

مولانا تھانوی، اس سے اتنے خوش ہوئے کہ: آم، کھا رہے تھے، فوراً دو آم اٹھا کر، مجھے، انعام میں دیے۔"

(ص ۲۲۔ ماہنامہ "منادی"، دہلی۔ جلد ۳۹۔ شمارہ ۱۲)

☆☆☆

سَوَادِ اعظم کے جُملہ طبقات ومسالک کی تائید وحمایت

"سَوَادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے فقہی مذاہبِ اربعہ (حنفیت وشافعیت و مالکیت وحنبلیت) اور جُملہ طُرُق وسَلاسِلِ تصوف وطریقت، مثل قادریہ وچشتیہ ونقشبندیہ وسہروردیہ و رِفاعیہ وشاذلیہ اور ان سے وابستہ جملہ قدیم وجدید عُلما وفُقہا وفُضَلا وصوفیہ ومشائخِ کرام ومبلّغین وداعیانِ اسلام، جو، مذہب ومسلکِ سَوَادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت پر، اِستقامت کے ساتھ حمایت وتائیدِ اسلام وخدمتِ دینِ حنیف ونشر واشاعت وترویجِ مذہب ومسلک ومشرب کے کسی بھی، شعبہ سے وابستہ اور کسی بھی خطہ اور علاقہ میں، اِخلاص ودیانت کے ساتھ مصالح ومفاداتِ مِلّت وجماعتِ حق واہلِ حق ونُصرت واِعانتِ سَوَادِ اعظم میں مشغول ومصروف تھے اور آج بھی، سرگرم ہیں۔

اُن سب کے ساتھ، حُسنِ ظن، اُن سب کی تحسین وتشجیع، اُن سب کی ممکن نصرت وحمایت واِعانت واِمداد، اور ان سب کے حق میں، جذبۂ خیر اور اُن کا ذِکرِ خیر، سَوَادِ اعظم کے ہر فرد پر حسبِ صلاحیت ووسعت واِستطاعت، نہایت اہم مذہبی ومِلّی فریضہ، اِنفرادی واِجتماعی شعور واِدراک وعلم وعرفان کی واضح علامت، اور دینی ودنیوی فوز وفلاح وسعادت ونجات کی بہترین ضمانت ہے۔

وقتِ بَرہنہ گفتن ست، مَنْ بہ کِنایہ گفتہ اَم
خود تو بگو کجا بُرم؟ ہم نفسانِ خام را

(ص ۲۰۵ وص ۲۰۶۔ "عرفانِ مذہب ومسلک"۔ طبعِ اَخیر، مارچ ۲۰۱۴ء)